BA Part-III

Paper - VIII

Date: 1
Page:

اردو ناول کا ارتقاء

اردو ناول کے ارتقاء کی کہانی بہت طویل اور دلچسپ ہے۔ لیکن متحدہ ہندوستان میں ۱۸۵۷ء کے غدر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ یہ محض سیاسی انقلاب نہ تھا بلکہ اس کی وجہ سے سماجی اور اخلاقی قدروں کے معیار میں بھی زلزلہ آ گیا۔ ادب بھی متاثر ہوا۔ ادب کی بنیادیں ہماری روایتی معاشرت اور تہذیب ہی میں استوار ہوتی ہیں۔ ہمارا کلچر اور ہماری زندگی ہی وہ زمین ہے جس میں ادبیات کی شاخیں نشوونما پاتے ہیں۔ جب زندگی انقلاب سے دوچار ہوتی ہے تو ادب ذہن میں انقلاب کا آنا لازمی ضرور ہے۔

۱۸۵۷ء کے غدر نے ہر صاحب فکر پر واضح کر دیا کہ ہماری سب سے بڑی کمزوری، ہماری زندگی سے دوری ہے۔ اس حقیقت سے واقفیت کے بعد ہر شعبۂ زندگی میں اصلاح کے کام کو تیز سے تیز تر کرنے کی کوشش مصلح قوم نے شروع کر دی۔ اسلامی سماج میں اردو ادبیات کی اصلاح کا کام سر سید احمد خاں اور ان کے حلقۂ احباب نے اپنے ذمہ لیا۔ سر سید احمد خاں نے رسالہ تہذیب الاخلاق جاری کیا۔ سر سید کے ہم خیال رفقاء میں ایک بزرگ مولوی نذیر احمد تھے۔ جو اگرچہ انگریزی زبان سے قدرے واقف تھے۔ لیکن عربی و فارسی میں کامل عبور رکھتے تھے۔ انہوں نے اصلاح و تعلیم کا ایک انوکھا طریقہ اختیار کیا جس سے مسلم گھرانوں کی بچیاں امور خانہ داری اور عام اخلاقیات کا درس سیکھ سکیں۔ "مراۃ العروس" ان کی پہلی تصنیف ہے جس پر لفٹنٹ گورنر یوپی نے ایک معقول انعام بھی دیا۔ اس حوصلہ افزائی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر اصلاح مذہب و معاشرت کا شوق، ادھر انعام کا ذوق، ہم خرما و ہم ثواب مولوی نذیر احمد نے کئی ناول لکھ ڈالے۔ "بنات النعش" "توبۃ النصوح" "ابن الوقت" یہ تمام اسی ذوق و شوق کا نتیجہ ہے۔

اگرچہ مولوی نذیر احمد صاحب کی ان تمام کتابوں میں ان کے مقصدیت پند و نصائح اور مذہب و اخلاقیات پر لکچر کی وجہ سے ناول کی روح مجروح ہو جاتی ہے۔ لیکن ان کی طرز نگارش زبان و محاورے دلچسپی کا سبب بن جاتے ہیں، جو ان کے وعظ کو جبر سے بھی پڑھوا لیتے ہیں۔ ان کے ناول کے پلاٹ سیدھے اور سپاٹ ہیں۔ نہ حسن کی دلفریبیاں ہیں نہ عشق کی گرمیاں ہیں۔ مولانا نذیر احمد چونکہ اخلاق کے پابند انسان تھے، اس لئے مولویت لئے بے پناہ و لفظ پند و نصیحت کے خطبے ان کے تمام ناولوں میں جاری و ساری ہے۔ ان کے ناولوں کے نوجوان کردار جیسے بیٹے، بیٹیاں، بھائی اور بہن ہیں۔ مجبور دلہن نہیں ہوتی ہیں۔ مکمل گھریلو زندگی یا کاروباری زندگی کے مسائل ہی ان کے یہاں ملتے ہیں۔ ان تمام خشکی اور ناکامی پن کے باوجود ہم مولوی نذیر احمد کو اردو ناول کا موجد اعلیٰ کہنے پر مجبور ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہماری معاشرت کی اچھی تصویر کھینچی ہیں۔ ان کے یہاں وہ مافوق الفطری عناصر نہیں ہیں۔ جو داستانوں کے خاص اجزائے ترکیبی ہوا کرتے تھے۔ جو کچھ ہے وہ سب ہی چلتی پھرتی دنیا سے متعلق ہے۔ ان کا ماحول اور ان کے کردار اسی دنیا کے ہیں۔ ان کے یہاں وہ مافوق الفطری عناصر نہیں ہیں۔ جو داستانوں کے خاص اجزائے ترکیبی ہوا کرتے تھے۔ جو کچھ ہے وہ سب ہی چلتی پھرتی دنیا سے متعلق ہے۔ ان کا ماحول اور ان کے کردار اسی دنیا کے ہیں۔ ان کے یہاں خواب و خیال کی دنیا نہیں ہے۔ اگرچہ ان کے کرداروں کی خارجی اور ظاہری دنیا سے ہم واقف ہوتے ہیں۔ لیکن ان کے روحانی احساسات سے ہماری واقفیت نہیں ہوتی ہے۔ ان کے کرداروں میں اصغری، اکبری، نصوح اور ابن الوقت وغیرہ معلوم ہوتا ہے کہ دل نہیں رکھتے، صرف دماغ رکھتے ہیں۔

مولانا نذیر احمد کی ناول نگاری میں مکالمہ نگاری کی ایک اہم خصوصیت ہے۔ وہ خصوصاً مسلمانوں کے متوسط طبقہ کی عورتوں کی گفتگو کو خاص انہیں کے مخصوص محاورہ اور انداز میں لکھتے ہیں۔ یہ ان کی نثر نگاری اور جذبات کے اظہار کا کمال ہوتا ہے۔ مولانا نذیر احمد کو اپنی زبان دانی پر ناز تھا اور اس حیثیت میں وہ انتہائی کامیاب نظر آتے ہیں۔ ان کی ناول کی سب سے اہم خصوصیت مکالمہ نگاری ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں لائق شائستہ حد تک اوسط گھرانے کی عورتوں کی خوبیوں اور خامیوں کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ اگرچہ اس میں ارتقاء نہیں ہوتا ہے۔ لیکن اخلاقیات ضرور ملتا ہے۔ وہ معلم اخلاق زیادہ نظر آتے ہیں۔

اردو ناول کا ارتقاء

"مراۃ العروس" "توبۃ النصوح" اور "ابن الوقت" کی اخلاقی دنیا سے ہم پنڈت رتن ناتھ سرشار کے زندہ دلان بزم میں آتے ہیں تو ان کے بالکل متضاد رنگ و ہوا ملتی ہے۔ ہر جگہ آزادی ہے، قہقہے ہیں، دلچسپی ہے، رنگینیاں ہیں۔ نذیر احمد جس قدر خشک ہیں اسی قدر سرشار خوش دل اور آزاد ہیں۔ وہ صحافت کے راستے سے ناول نگاری کے میدان میں آئے۔ ان کی ناول نگاری میں لکھنؤ کی زندگی کا نقشہ ملتا ہے۔ سرشار اپنے گرد و پیش کی رنگینیوں کے ساتھ طرح طرح کی رزم آرائیوں اور بزم آرائیوں کے بعد جب مشرق وسطی سے وطن واپس آتے ہیں۔ سرشار نے دنیا کو کثرت سے دیکھا ہے۔ سرشار کی نظر سے شاید ہی کوئی پہلو بچا ہو۔ بیگمات کی زندگی، نواب کی محفلیں، مسلمانوں کی بیٹھکوں کی حالتیں، بازار کی رونقیں، تہواروں پر جشن و تفریح کے مختلف سامان وغیرہ ان کے ناول میں پائے جاتے ہیں۔ اگرچہ فسانہ آزاد باقاعدہ ناول کے فن پر پورا نہیں اترتا ہے لیکن "سیر کہسار" اور "جام سرشار" "کامنی" بہترین ناول کے نمونے ہیں۔

عبدالحلیم شرر لکھنوی کے ناول نگاری کو سلیقہ اور فن کے لحاظ سے اعلیٰ رتبہ حاصل ہے۔ سرشار کے مقابلہ میں شرر لکھنوی کے یہاں ترتیب پلاٹ کی اچھی قابلیت پائی جاتی ہے۔ مگر حقیقت نگاری کے باب میں شرر ناکام ہیں۔ اس لحاظ سے وہ ناول نگار نظر نہیں آتے ہیں اگرچہ مقصدیت کے لحاظ سے وہ ناول نگار ہیں۔

سرسید کی قیادت میں اردو نثر نے بے حد ترقی کی ہے۔ وہ اردو نثر کے مورث اعلیٰ کہے جاتے ہیں۔ انہوں نے یورپ کی تقلید کے ذریعہ زندگی کی اعلیٰ قدروں کو اپنانے کا شعور دیا۔ عبدالحلیم شرر لکھنوی نے مسلمانوں کی پرانی تاریخ کو پھر سے زندہ کرنے اور اسلام کو عیسائیت سے بہتر ثابت کرنے کا ذریعہ اپنے تاریخی ناولوں سے پایا۔ اسکاٹ کے (Talisman) کے جواب میں "ملک العزیز ورجنا" کے علاوہ کئی دوسرے ناول میں تاریخی شخصیتوں کو پیش کیا ہے۔ اس طرح شرر کے ناولوں کے کردار اور واقعات تاریخی ہیں۔ مولانا عبدالحلیم شرر لکھنوی کی مشہور ناول "فردوس بریں" "فتح اندلس" بہت مشہور ہیں۔

عبدالحلیم شرر لکھنوی کے بعد ہماری نظر مرزا محمد ہادی رسوا پر پڑتی ہے۔ رسوا کی طبیعت سائنس کے قاعدوں کی طرف زیادہ رجوع تھی۔ یوں تو خانگی اور دنیوی معاملات میں وہ نہایت لاپرواہ واقع ہوئے تھے۔ ان کے ناولوں میں اکثر ترتیب ہیولی کے نمایاں ہونے کی وجہ نظر آتے ہیں۔ رسوا نے ناول "شریف زادہ" کو بالکل نئے طرز کی طرح پیش کیا ہے۔

مرزا ہادی رسوا کا شاہکار ناول "امراؤ جان ادا" ہے۔ یہ ناول ہمارے ادب کا ایک نادر شاہکار ہے۔ پلاٹ کی ترتیب کی اس سے بہتر مثال کسی دوسری جگہ مشکل سے ملے گی۔ مگر اس میں زندگی کے تمام نقوش خواہ خانم صاحبہ کے شنشم محفل کے حالات ہوں یا محفل یاران کے رقص و سرود ہوں یا شریف اور شرفاؤں کے واقعات ہوں یا طوائفوں کے مکروں کے افکار ہوں۔ سب واقعات کی ترتیب سے ہیں کہ ان میں زندگی کی رفتار نظر آتی ہے۔

بیسویں صدی کے شروع میں علامہ راشد الخیری، پریم چند، نیاز فتح پوری وغیرہ خاص طور سے قابل ذکر ہیں۔

مولانا راشد الخیری مسلمانوں کی ترقی کے لئے سرسید تھے۔ عورتوں کی بھلائی اور بہتری کے لئے انہوں نے بہت سے ناول لکھے۔ جیسے "سیدہ کا لال" "جوہر قدامت" "صبح زندگی" "شام زندگی" وغیرہ۔ علامہ راشد الخیری نے اسلوب بیان میں رقت اور درد انگیزی کے باعث مصور غم کا خطاب پایا۔ ان کا قلم بہت رواں ہے۔ ہر جگہ ان کی انشاء پردازی مسلم ہے۔ خامیاں ان کی بھی وہی ہیں جو مولانا نذیر احمد کی ہے۔ لیکن اصلاحی مقصد ہر جگہ غالب ہے۔

پریم چند نے اپنی ادبی زندگی افسانہ نویسی سے شروع کی۔ رفتہ رفتہ ناول کے میدان میں قدم رکھا۔ "بیوہ" "بازار حسن" "نرملا" "گوشہ عافیت" "چوگان ہستی" "میدان عمل" "گئودان" وغیرہ ان کے مشہور ناول ہیں اور ان سب سے زیادہ اہم "گئودان" ہے۔ اردو ناول نگاری میں پریم چند ایک روشن ستارہ ہیں۔

اردو ناول کا ارتقاء

پریم چند کے پلاٹ اور کردار کی دنیا میں ہم کو ہندوستان کی سی وسعت نظر آتی ہے اور پورا ملک اجتماعی روپ میں نظر آتا ہے وہ روپ کیا ہے، دیہاتوں، گاؤں کی وسیع لیکن لاچار اور مجبور دنیا، جہاں دھرتی اپنے لازوال خزانے اگلتی ہے۔ لیکن کوئی ان سے واقف نہیں ہوتا۔ محسوس نہیں ہوتا۔ حالانکہ پورا ہندوستان ان سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پریم چند کی سب سے اہم خصوصیت ان کی واقعیت نگاری ہے۔ وہ اپنے تمام کردار گرد و پیش روزمرہ کی زندگی سے لیتے ہیں۔ ان کا ماحول خالص ہندوستانی اور حقیقی ہوتا ہے، خیالی نہیں۔ پریم چند کی ناول نگاری میں اگر کوئی نقص ہے تو یہ ہے کہ ان کی ناول میں رومانیت غالب نظر آتی ہے۔

پریم چند کے برخلاف نیاز فتح پوری نے ایک رومانی اسکول قائم کیا۔ شاعرانہ اور جذباتی قسم کی طرز نگارش کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا۔ جن کا مقصد اور فلسفہ جہاں متعین ہو جائے وہاں ادب ہمیشہ حقیقت سے بہت اونچا رہتا ہے۔ اس کی طرز نگارش الفاظ جاذب ہو سکتی ہے۔ نیاز فتح پوری نے ناول "شہاب کی سرگزشت" اور "شاعر کا انجام" ان کے طرز بیان کی بہترین مثال ہے۔

بیسویں صدی میں چند قابل ذکر ناول نگار اور ہیں۔ مرزا محمد سعید، کشن پرشاد کول وغیرہ کے نام آتے ہیں۔ موجودہ دور ترقی پسندی کا دور کہلاتا ہے۔ فرائڈ کی جنسیت اور مارکس کی اشتمالیت نے لوگوں کے ذہنوں اور قلوب پر اثر کر رکھا ہے اور زندگی کے ہر شعبہ اور اس کی ہر عمل کو بھوک اور جنسیت کی عینک سے دیکھا جانے لگا ہے۔ موجودہ دور کے اچھے ناول نگاروں میں کرشن چندر، اپندر ناتھ، عصمت چغتائی وغیرہ ہیں۔

کرشن چندر کی ناول "شکست" اور "ایک گدھے کی سرگزشت" ہے۔ کرشن چندر کے یہاں فن میں رومانیت داخل ہے۔ عصمت چغتائی کی مشہور تخلیق "ضدی"، "معصومہ"، "دل کی دنیا"، "ٹیڑھی لکیر" وغیرہ ہیں۔

تقسیم ہند کے بعد ۱۹۴۷ء میں قرۃ العین حیدر نے "میرے بھی صنم خانے" لکھ کر اردو ناول کی ایک نئی راہ دکھائی ہے۔ اس کے بعد "سفینۂ غم دل"، "آگ کا دریا" ان کی بہترین تخلیق ہے۔ اس کے بعد راجندر سنگھ بیدی جو اصلاً افسانہ نگار ہیں۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں انہوں نے "ایک چادر میلی سی" کے عنوان سے ناول لکھ کر اپنی فنی بصیرت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ جس میں دیہاتی زندگی کی کسمپرسی کی عکاسی ہے۔
بلونت سنگھ نے ۱۹۶۴ء میں ایک ناول "رات چور اور چاند" لکھ کر پنجاب کی دیہاتی زندگی کے حسن اور دلکشی کو پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر قاضی عبدالستار نے اردو ناول کو نکھارنے اور پروان چڑھانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ انہوں نے کئی ناول لکھے ہیں۔ ۱۹۶۶ء میں "شب گزیدہ"، ۱۹۶۷ء میں "پہلا اور آخری خط"، "دارا شکوہ" اور ۱۹۶۸ء میں "صلاح الدین ایوبی" لکھ کر اردو کی بہترین خدمت کی۔

حیات اللہ انصاری کی ناول "لہو کے پھول" جو تقریباً چار جلدوں میں ہے، ۱۹۲۸ء سے شروع ہو کر اس کی سرحد ۱۹۴۷ء تک پہنچتی ہے۔ یہ ایک سیاسی اور تاریخی ناول ہے۔ ناول نگاروں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ ہر ایک کے فن کی اپنی جگہ ایک الگ اہمیت ہے۔ جس میں چند کا نام قابل قدر ہیں۔ خدیجہ مستور کی ناول "زمین"، فضل احمد کریم فضلی کی ناول "خون جگر ہونے تک" وغیرہ۔ اس طرح اردو ناول کی ارتقاء میں نت نئے گوشے ابھر رہے ہیں۔ اس کی رفتار تیز ہے۔ اب سائنس اور تحلیل نفسی کا زمانہ ہے۔ اس زمانے میں بھی ناول کی اعلیٰ قدریں قابل قبول ہیں۔